عصر حاضر میں علم الکلام کے مناہج اوران کی تشکیل جدید

Patters of *Ilm-ul-Kalam*in Contemporary Times and their Revival

ڈاکٹر محمد ذوالقرنین[1]

Abstract

This academic work dealt with the revival of Islamic theology, also known *tajdīdilm al-kalam*. It comprised of three sections: the first gave a brief introduction to Islamic theology and its development; the second highlighted the need of its revival, and the third suggested a brief methodological framework for its revival. By employing descriptive and qualitative research method the study established that ancient literature on Islamic theology has been absolutely discarded as it is failed to fulfill the present needs of Islamic thought. Neither had it tendency to prove Islamic beliefs nor to satisfy the rational and scientific mind of 21st century. It is therefore essential to revive Islamic theology by using modern scientific and logical means instead of ancient logic and philosophy which has been replaced by modern science. In this connection the researcher sketched out a brief methodological framework for Islamic theology of modernity (*jadidilm al-kalam)* by giving some suggestions in the light of literature cited.

Key words:*Islam, theology, Islamic theology, ancient theology, modern theology*

علم الکلام ایسا علم ہے جسکا مقصد اسلامی عقائد و نظریات کی حقانیت کو از روئے عقل محکم و مضبوط دلائل سے ثابت کرنا اوران میں درآنے والی خرابیوں اور توہمات کو رفع کرنا ہے تاکہ اسلامی عقائد کی وہی شکل برقرار رہے جو کہ نبی اکرم ﷺ کے دور میں تھی۔ علم الکلام میں عقائد و نظریات پہلے سے موجود ہوتے ہیں۔ فقط عقلی دلائل کے ذریعے ان کی حقانیت ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ وضاحت کے لیے ذیل میں علم الکلام کی تعریفات پیش کی جاتی ہیں۔

ابن خلدون کے مطابق "هُوَ عِلمٌ يَتَضَمَّنُ الحِجَجَ عَنِ العَقَائِدِ الإِيمَانِيَّةِ، بِالأَدِلَّةِ العَقلِيَّةِ، وَالرَّدُّ عَلَى المُبتَدِعَةِ المُنحَرِفِينَ فِي الاِعتِقَادَاتِ عَن مَذَاهِبِ السَّلَفِ وَأَهلِ

---

1 . *Former Principal, Ghazali School of Excellence, Wah Cantt*

السنّةِ۔"[2] "وہ علم جس میں عقائدِ ایمانیہ کا دلائلِ عقلیہ کے ذریعے دفاع کیا جاتا ہے نیز بدعتیوں اور اہل سنت وسلف کے عقیدہ سے انحراف کرنیوالوں کا رد کیا جاتا ہے۔"

وعَرَّفَهُ الجُرجَانِيّ بأنّه: "عِلمٌ يُبحَثُ فِيهِ عَن ذَاتِ الله تَعَالىٰ،وَصِفَاتِهِ، وَأَحوَالِ المُمكِنَاتِ مِنَ المَبدَأِ وَالمَعَادِ عَلى قَانُونِ الإسلام۔"[3] "علم الکلام وہ علم ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور ممکنہ احوال یعنی مبداء ومعاد سے قانون اسلام کے مطابق بحث کی جاتی ہے۔"

علم الکلام کی غرض وغایت دلائلِ عقلیہ سے عقائدِ اسلامیہ کا اثبات و دفاع کرنا، بدعتیوں اور عقیدہ صحیحہ سے انحراف کرنے والوں کا ردّ اور اسلام پر وارد ہونے والے شکوک وشبہات کا ازالہ کرنا ہے۔ علم الکلام کے مباحث میں توحید، رسالت، آخرت، سمعیات، اسماء وصفات، رویتِ باری، تکلیف اور قضاء وقدر وغیرہ شامل ہیں۔ علم الکلام کو علم العقیدہ، علم التوحید، علم اسماء و صفات، اصول الدین، فقہ الاکبر اور علم الاصول جبکہ عصر حاضر میں "التصور الاسلامی" اور "الفکر الاسلامی" سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔[4]

علم الکلام کی ابتداء اور ارتقاء کا جائزہ

تفتازانی لکھتے ہیں کہ صحابہ اور تابعین کے دور میں اس علم (علم الکلام) کی حاجت نہ تھی نبی اکرم ﷺ کی صحبت کی بدولت صحابہ کرام، اور صحابہ کی صحبت کی بدولت تابعین کے عقائد صاف تھے۔[5] صحابہ کرام کے نزدیک عقیدہ صرف اس بات کا نام تھا کہ قرآن کریم نے ایک بات کہہ دی ہے یا جناب نبی اکرم ﷺ نے ایک بات ارشاد فرمادی ہے۔ انکو اس بات سے کوئی غرض نہ ہوتی تھی کہ وہ بات ہماری عقل و فہم کے دائرے میں آتی ہے یا نہیں یا ہمارے محسوسات ومشاہدات اس کو قبول کرتے ہیں یا نہیں۔[6] پھر جب اسلام پر داخلی اور خارجی فتنوں کی یلغار ہوئی تو نئے سوالات نے جنم لیا اور آہستہ آہستہ علم الکلام کی راہیں ہموار ہوتی چلی گئیں۔ تفتازانی کے مطابق جب اندرونی طور پر مسلمانوں میں فتنے برپا ہوئے اور آئمہ دین پر ظلم ہوا، آراء میں اختلاف نمایاں ہوا تو بدعات اور خواہشاتِ نفس کی طرف میلان بڑھ گیا تو علماء کرام نے نظر واستدلال، اجتہاد واستنباط کے ذریعے قواعد واصول مرتب کرکے ابواب وفصول بنانے

---

[2]۔ ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، داراحیاء التراث العربي، بیروت، لبنان، ط.ا الرابعة، ج ا، ص ۴۸۵

[3]۔ الجرجاني، التعریفات، دار القلم, بیروت، لبنان، ۱۹۸۴، ص ۴۵۸

[4]۔ د. عثمان جمعة ضیمریة، مدخل لدراسة العقیدة الاسلامیة، مكتبة السوادی للتوزیع، جدة، ۲۰۰۵، ص ٦۴

[5]۔ سعد الدین تفتازانی، شرح العقائد النسفیہ، مترجم: علامہ محمد جمیل نقشبندی، ناشر النور انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک ایجوکیشن، واہ کینٹ، ص ۳

[6]۔ ابوعمار زاہد الراشدی، "علم الکلام اور اسکے جدید مباحث"، ماہنامہ الشریعہ، اپریل ۲۰۱۳، ص ۲

شروع کر دیے اور تفصیلی دلائل سے حاصل ہونے والے عقائد کے علم کا نام "علم الکلام" رکھا گیا۔[7] دوسری طرف بیرونی فلسفوں کے در آنے سے جب عقلی سوالات کھڑے ہوئے اور علمائے اسلام کو ان سوالات کے جواب میں اسلامی عقائد کی وضاحت کی ضرورت پیش آئی تو صحابہ کرام کے آخری دور میں اس قسم کے مباحثوں کا آغاز ہوا اور تابعین و اتباع تابعین کے دور میں یہ مباحثے اپنے عروج کو پہنچ گئے۔[8]

متقدمین کے دور میں علم الکلام صرف دلائل سمعیہ پر مشتمل تھا اس میں فلسفی ابحاث موجود نہیں تھیں مگر جب فلسفہ، یونانی زبان سے عربی میں منتقل ہوا تو عقائدِ صحیحہ میں اختلاف پیدا ہوا۔ مخالفین چونکہ اپنے دلائل میں فلسفے کا سہارا لیتے تھے اس لیے متاخرین علمائے کرام نے بھی دلائل سمعیہ کے ساتھ ساتھ فلسفے سے استدلال کرنا شروع کر دیا تاکہ مخالفین کے اعتراضات کے تسلی بخش جوابات دیے جاسکیں۔[9] علم الکلام میں فلسفے کی یہ آمیزش رفتہ رفتہ اس قدر بڑھ گئی کہ طبعیات، الٰہیات اور اسکے بعد ریاضی کی بحثوں کو بھی علم الکلام میں شامل کر دیا گیا۔[10] اور یوں یہ علم خالص کلامی اور فلسفیانہ مسائل کا معجون مرکب بن گیا۔ ڈاکٹر حسن شافعی نے علم الکلام کے اس تاریخی ارتقاء کو پانچ مرحلوں میں تقسیم کیا ہے۔[11]

1. مرحلۃ النشاء: یہ مرحلہ پہلی صدی ہجری سے دوسری صدی ہجری کے اوائل تک کا ہے۔
2. مرحلۃ التدوین و ظہور الفرق: یہ مرحلہ دوسری صدی ہجری کے اوائل سے پانچویں صدی ہجری کے اختتام تک پھیلا ہوا ہے۔
3. مرحلۃ التطور والاختلاط بالفلسفہ: یہ مرحلہ چھٹی سے نویں صدی ہجری تک کا ہے۔
4. مرحلۃ الفتور والتقلید: یہ دور دسویں صدی سے بارویں صدی کے اختتام پر مشتمل ہے۔
5. المرحلۃ الحدیثۃ: جو کہ آخری دو یعنی تیرویں اور چودھویں صدی ہجری پر محیط ہے۔

7۔ سعد الدین تفتازانی، شرح العقائد النسفیہ، مترجم: علامہ محمد جمیل نقشبندی، ناشر النور انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک ایجوکیشن، واہ کینٹ، ص ۳

8۔ ابو عمار زاہد الراشدی، "علم الکلام اور اس کے جدید مباحث"، ماہنامہ الشریعہ، اپریل ۲۰۱۳، ص ۲

9۔ سعد الدین تفتازانی، شرح العقائد النسفیہ، مترجم: علامہ محمد جمیل نقشبندی، ناشر النور انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک ایجوکیشن، واہ کینٹ، ص ۵

10۔ ایضاً، ص ۷

11۔ ڈاکٹر حسن شافعی، المدخل الی دراسۃ علم الکلام، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، D/ ۴۳۷ گارڈن ایسٹ کراتشی، ط.ا: ۱۹۸۹، ص ۴۴

بیان کردہ پانچ ادوار میں پانچویں مرحلے تک علم الکلام ایک خاص طرز اور اسلوب پر چلا آرہا تھا لیکن چھٹے مرحلے (یعنی انیسویں) صدی میں جب سائنسی اور صنعتی انقلاب کی بدولت دنیا میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئیں، علوم وفنون نئے انداز میں مرتب ہوئے اور استدلال کی نئی راہیں کھلیں تو مسلم مفکرین نے علم الکلام کی تشکیلِ نو کے بارے میں غور وفکر کرنا شروع کر دیا۔ اس اولین جدوجہد میں سر سید احمد خان (م ۱۸۹۸ء)، جمال الدین افغانیؒ (م ۱۸۹۷ء) اور مفتی محمد عبدہؒ (م ۱۹۰۵ء) اور علامہ اقبالؒ (م ۱۹۳۸ء) کے نام قابل ذکر ہیں۔ خالد مسعود لکھتے ہیں کہ: عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ جمال الدین افغانیؒ اور مفتی محمد عبدہؒ جدید علم الکلام کے بانی ہیں لیکن ہماری معلومات کے مطابق سر سید احمد خان پہلے مفکر ہیں جنہوں نے علم الکلام کی تجدید پر زور دیا۔[12] ۱۹۲۰ء میں علامہ اقبالؒ نے جدیدیت کے حوالے سے کچھ لیکچرز دیے جو ۱۹۳۴ میں "The Reconstruction of Religious Thought in Islam" کے نام سے شائع ہوئے۔ قرائن بتاتے ہیں کہ علامہ اقبال کی جدیدیت کی فکر سر سید احمد خان کی فکر ہی کا ایک تسلسل تھی۔[13] بعد ازاں کئی ایک مفکرین نے علم الکلام کی تجدید کو باقاعدہ موضوع بنا کر علمی انداز میں کام کیا جن میں سے برصغیر پاک وہند میں مولانا مودودی، وحید الدین خان کے نام قابل ذکر ہیں۔

علم الکلام کی تجدید: ضرورت واہمیت

فکر اسلامی میں عرصہ دراز سے ایک سنگین غلطی واقع ہوئی ہے کہ عقائدِ اسلامیہ یعنی ثوابت[14] کے ساتھ ساتھ ان کے دلائل کو بھی لاشعوری طور پر " ثوابت " سے ہی تعبیر کیا جارہا ہے جسکی واضح مثال مدارسِ اسلامیہ میں معقولات کے نام پر علم الکلام اور اسلامی فلسفہ پر پڑھائی جانے والی کتب ہیں کہ جن کے دلائل تجربہ اور مشاہدہ کے ذریعے غلط ثابت ہو چکے ہیں۔[15] اس بات کو سرے سے ہی نظر انداز کر دیا گیا ہے کہ: "علم الکلام کے حوالے سے درس نظامی میں پڑھایا جانے

12- Muhammad Khalid Masud, “Iqbāl’sapproachto Islamic theology of modernity”, Al-Hikmat-Volume 27 (2007), pp. 1-36, pg. 3

13- Ibid, pg

14- شریعت اسلامیہ کے احکام دو قسم پر ہیں۔ جن میں سے ایک "ثوابت" اور دوسرے "متغیرات" ہیں۔ ثوابت کا تعلق ان احکام کے ساتھ ہے جو کسی حال میں نہیں بدلتے۔ ان پر حالات وواقعات، زمان ومکان اور عرف وعادت وغیرہ اثر انداز نہیں ہوتے ان میں عقائد، عبادات اور اخلاق شامل ہیں جبکہ "متغیرات" عرف وعادت، رسم ورواج، مصالح اور مرورِ زمانہ کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں انہی کا دوسرا نام "فقہ" ہے۔ چونکہ علم الکلام کے مسائل کا تعلق عقائدِ اسلامیہ سے ہے اس لیے یہ "ثوابت" کے زمرے میں آتے ہیں۔

15- قدیم منطق کی بنیاد ذہنی قیاس آرائیوں پر قائم تھی جبکہ موجودہ زمانہ میں منطق کی بنیاد سائنس پر ہے جو حقیقی حوالوں اور واقعاتی تجزیہ سے کسی بات کو ثابت کرتی ہے مگر ہمارے مدارس میں آج بھی منطق اور فلسفہ کے نام سے جو چیز پڑھائی جاتی ہے وہ ایسے عقلی قیاسات پر مشتمل ہے جو مشاہدہ اور تجربہ کی روشنی میں غلط ثابت ہو گئے ہیں۔ (دیکھیے تجدید دین از وحید الدین خان، ص ۵۵-۵۷)

والا نصاب اس بحث و مباحثہ کی ارتقائی صورت ہے جس کا آغاز اس وقت ہوا جب اسلام کا دائرہ مختلف جہات میں پھیلنے کے ساتھ ساتھ ایرانی، یونانی، قبطی اور ہندی فلسفوں سے مسلمانوں کا تعارف شروع ہوا تھا اور ان فلسفوں کے حوالے سے پیدا ہونے والے شکوک و شبہات اور سوالات نے مسلمان علماء کو معقولات کی طرف متوجہ کیا اب جبکہ خود اس فلسفہ کی اپنی ہیت تبدیل ہو چکی ہے اور ارتقائی مراحل نے اس کی شکل و صورت تک بدل کر رکھ دی ہے۔ مثلاً ماضی میں سائنس کو معقولات کا حصہ تصور کیا جاتا تھا اور وہ فلسفہ کا حصہ سمجھی جاتی تھی، چنانچہ ہمارے ہاں فلکیات اور طبعیات کو معقولات ہی کے ایک حصے کے طور پر پڑھایا جاتا تھا، جبکہ سائنس ایک عرصہ سے فلسفہ و معقولات سے الگ ہو کر ایک مستقل علم کی شکل اختیار کر چکی ہے اور اب وہ معقولات اور فلسفہ کا حصہ نہیں ہے بلکہ مشاہدات و محسوسات کے دائرے میں شامل ہو چکی ہے، لیکن ہم درس نظامی کے نصاب میں اس تبدیلی کا ابھی تک ادراک نہیں کر سکے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ فلسفہ اور سائنس کی علیحدگی کے باعث عقائد اور ان کی تعبیرات کے ضمن میں جو نئے سوالات پیدا ہوئے ہیں، ہم ان کا جواب دینے کی سرے سے ضرورت ہی محسوس نہیں کر رہے۔"[16]

علم الکلام، جو ایک مدت سے ایک حالت پر چلا آ رہا تھا اور جس کے بیسیوں غلط مسائل، اصولِ موضوعہ کے طور پر اس قدر مسلم ہو گئے تھے کہ کسی کو ان پر چوں وچراں کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی، امام غزالیؒ نے متکلمین کے دلائل کو تنقید کا نشانہ بنایا کہ "متکلمین، جو رڈ فلسفہ کے درپے ہیں، کی کتابوں میں مبہم و بے ترتیب کلمات کے سوا کہ جن کا تناقض اور فساد ظاہر ہے، کچھ درج نہیں ہے اور جن کی نسبت ایک عام جاہل آدمی بھی دھوکا نہیں کھا سکتا چہ جائیکہ وہ لوگ جو دقائق علوم کے جاننے کا دعوی رکھتے ہوں۔"[17] امام غزالی کے ٹھیک دو صدیاں بعد علامہ ابن تیمیہؒ نے نہایت دلیری سے متکلمین کے دلائل کی مخالفت کی اور واضح کیا کہ متکلمین جس چیز کو مذہب کی تائید سمجھتے ہیں وہ در حقیقت مذہب کو نقصان پہنچانے والی ہے الرد علی المنطق میں لکھتے ہیں: "خدا کا ممکن الرویۃ ہونا دلائل عقلیہ سے ثابت ہے لیکن وہ دلائل نہیں جو ابوالحسن (اشعری) وغیرہ نے قائم کیے ہیں یعنی یہ کہ جو چیز موجود ہے وہ ممکن الرویۃ بھی ہے"۔[18]

تاریخِ اسلام پر نظر دوڑائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مختلف ادوار میں عقائد اسلامیہ پر مختلف قسم کے اعتراضات وارد ہوئے ہیں۔ علمائے اسلام نے ان اعتراضات کی نوعیت اور اُس خاص زمانے میں مروّج علوم و فنون کے ذریعے ان شبہات کا ازالہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ماضی میں چونکہ عقائد اسلامیہ پر یونانی منطق اور فلسفہ کے ذریعے حملہ ہوا تھا اس

16۔ ابو عمار زاہد الراشدی، "علم الکلام اور اس کے جدید مباحث"، ماہنامہ الشریعہ، اپریل ۲۰۱۳، ص ۴

17۔ الغزالی، المنقذ من الضلال، مترجم: مولوی سید ممتاز علی، ناشر ندارد، ۱۸۹۰ء، ص ۲۷

18۔ علامہ شبلی نعمانی، علم الکلام اور الکلام، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، ۱۹۷۹ء، ص۔ ۸۴۔۸۵

لیے متکلمین نے اسی ہتھیار کے ذریعے اسلام کا دفاع کیا تھا۔اب جبکہ صورت حال یکسر تبدیل ہو گئی ہے۔علوم وفنون نئے اسلوب پر مرتب ہوگئے ہیں۔علم نفسیات(Psychology)، عمرانیات(Sociology)، علم الانسان(Anthropology)، سائنس(Science)،اور جدید مغربی فلسفہ نے اس قدر ترقی کر لی ہے کہ انہی کو حقائق کا معیار قرار دیا جاچکا ہے اور بیشتر مسائل کو انہی علوم کے تناظر میں حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ان علومِ جدیدہ کے مقابلے میں یونانی منطق اور فلسفہ دور کہیں پیچھے رہ گئے ہیں جو بلاشبہ تاریخ کا حصہ تو ہیں لیکن عملی اور واقعاتی بنیادوں پر ان کی اہمیت نہ ہونے کے برابر ہے مگر افسوس ناک بات یہ ہے کہ ہماری روش اسی طرح برقرار ہے۔ابھی تک ہماری علم الکلام کی کتابوں میں مسائل عقدیہ کے اثبات کے لیے انہی قدیم دلائل کا سہارا لیا جاتا ہے جن کی اصطلاحات ہی اس قدر دقیق اور بوجھل ہیں کہ سامع یا قاری کے دل میں یقین کی بجائے عدمِ یقین اور تذبذب کی کیفیت پیدا کرتی ہیں۔اس امر کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دین کی عظمت اور حقانیت کی بجائے ذہن مزید الجھنوں اور شکوک وشبہات کا شکار ہونے لگتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دوسرے مذاہب کی طرح اسلامی عقائد بھی موافقِ عقل نہیں ہیں۔علامہ اقبالؒ نے اسی لیے کہا تھا کہ :"جس قسم کا علم الکلام اور علمِ دین از منہ متوسطہ کے مسلمان کی تسکینِ قلب کے لیے کافی ہوتا تھا۔وہ آج تسکین بخش نہیں ہے۔اگر مسلمانوں کی زندگی میں دوبارہ تازہ اور اجتہادی گہرائیوں کو حاصل کرنا مقصود ہے تو فکرِ دینی کی از سرِ نو تعمیر کرنا قطعاً لازمی ہے۔"[19]

علامہ وحید الدین خان دینی مدارس میں علم الکلام کی موجودہ صورت حال اور اس کے نتائج کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قدیم منطق کی بنیاد ذہنی قیاس آرائیوں پر قائم تھی مگر موجودہ زمانہ میں منطق کی بنیاد سائنس پر ہے جو حقیقی حوالوں اور واقعاتی تجزیہ سے کسی بات کو ثابت کرتی ہے مگر مدارس دینیہ میں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، وہ چونکہ قدیم منطقی اسلوب پر لکھی گئی ہیں، اور اساتذہ اپنے درسوں میں اسی اسلوب پر مسائل کی تشریح کرتے ہیں، اس لیے ان اداروں سے جو افراد تربیت پا کر نکلتے ہیں، وہ اپنے طرزِ فکر اور اندازِ استدلال کے اعتبار سے موجودہ زمانے کے لیے اجنبی ہوتے ہیں۔وہ "منطقی اسلحہ" سے لیس ہونے کے باوجود آج کے انسان کو علمی اور منطقی طور پر اپنا دین سمجھانے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔آج کی دنیا میں جب وہ داخل ہوتے ہیں تو وہ احساس کمتری کا شکار ہو کر رہ جاتے ہیں یا جرأت کر کے اسلام کے داعی بننے کی کوشش کرتے ہیں تو انکی اسلامی تشریحات آج کے علمی انسان کو یہ غلط تاثر دیتی ہیں کہ اسلام صرف قدیم دور کے انسان کو مطمئن کر

19۔ علامہ اقبال، "صاحبزادہ آفتاب احمد خان وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی کے نام خط"، شیخ عطاءاللہ، اقبال نامہ یعنی مجموعہ مکاتیب اقبال، ص۲۱۶

سکتا تھا، آج کے انسان کے ذہنی اطمینان کے لیے اس کے پاس کچھ نہیں۔[20] لہذا یہ بات کس قدر مضحکہ خیز ہو گی کہ ہمارا مد مقابل اسلام کے خلاف زہر اگلتے ہوئے سائنس(Science) ، نفسیات(Psychology)، عمرانیات (Sociology)، علت و معلول (Cause and Effect) اور جدید فلسفے کے دلائل دے اور ہم اسکا جواب یونانی منطق، قدیم فلسفے اور کلامی دلائل سے دیتے رہیں۔ یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ یہ دلائل ایک خاص زمانے میں مخصوص معاشرتی اور تمدنی حالات میں وجود میں آئے تھے لہذا اب بھی ان دلائل کے ساتھ چمٹے رہنا اور اسلامی عقائد کے اثبات کے لیے استعمال کرنا اسلام کو فائدے کی بجائے نقصان پہنچانے کے مترادف ہے مگر افسوس ناک بات یہ ہے کہ ہمارے دینی مدارس نہایت اخلاص کے ساتھ ایسے ہی انسان تیار کرنے میں مصروف ہیں جو پانچ سو برس پہلے کی دنیا میں توکام کر سکتے تھے مگر موجودہ بدلے ہوئے زمانہ میں اسلام کا فکری اظہار نہیں کر سکتے۔[21] وہ اپنے ذہن و مزاج، پیچ در پیچ مقدمات اور بوجھل اصطلاحات پر مبنی طریقہ استدلال کی بدولت نہ تو اسلام کی عظمت ثابت کر سکتے ہیں اور نہ ہی جدید سائنسی ذہن کی تشفی کر سکتے ہیں بلکہ اسلام کی کمتر نمائندگی کر کے اسلام کے متعلق فقط شکوک و شبہات کا اضافہ کر سکتے ہیں۔

یہی وہ ضرورت ہے جو عصر حاضر میں علم الکلام کی تجدید کا تقاضا کرتی ہے۔ اس دور میں علم الکلام کی نئی طرز پر تشکیل اسلام کی ایک عظیم خدمت ہو گی جس سے اسلام کی عظمت اور حقانیت دنیائے جدید کے سامنے آشکارا ہو گی۔ اسی حوالے سے اس مضمون میں علم الکلام کے پس منظر، تجدید کی ضرورت و اہمیت اور جدید طرز پر اسکی تشکیل کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔

علم الکلام کی تشکیلِ نو کا جدید منہج

علم الکلام اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک زمانی علم ہے۔ وہ اسلام کی دائمی حقیقت کو زمانی اصطلاحوں میں بیان کرتا ہے اس لیے اسکی اہمیت اس وقت خود بخود ختم ہو جاتی ہے جبکہ وہ زمانہ ختم ہو جائے جس کے اندر وہ وجود میں آیا تھا۔ علم الکلام، جو کہ عباسی دور میں پیدا ہوا، اُس وقت اتنا موثر ثابت ہوا کہ جو علوم اسلام کے لیے چیلنج بن کر ظاہر ہوئے تھے وہ خود اسلام کے خادم بن گئے۔ مگر زمانہ کی تبدیلی نے اب اسکی اہمیت قطعی طور پر ختم کر دی ہے۔[22]

زاہد الراشدی لکھتے ہیں کہ :

---

[20]۔ وحید الدین خان، تجدید دین، مکتبۃ الرسالہ، سی ۲۹، نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی، ۱۹۷۸، ص ۵۸

[21]۔ ایضاً، ص ۵۵

[22]۔ ایضاً، ص ۵۴

> عالمی افق پر گزشتہ تین صدیوں کے درمیان رونما ہونے والی علمی تبدیلیوں اور خاص طور پر فلسفہ، سائنس اور عمرانیات کی انسانی ذہنوں پر حکمرانی سے پیدا شدہ صورت حال میں ہمیں "علم العقائد والکلام" کے نصاب کا از سرِ نو جائزہ لینا ہوگا۔ اس کا مطلب عقائد میں تبدیلی نہیں ہے بلکہ ان کی تعبیرات و تشریحات کے اسالیب اور ترجیحات کی از سر نو تشکیل ہے جو وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ ماضی میں یونانی اور دیگر فلسفوں کی آمد پر ہم نے اپنے عقائد پر پوری دل جمعی کے ساتھ رہتے ہوئے ان کی علمی و عقلی توجیہات و تعبیرات کا ایک نظام تشکیل دیا تھا جس کے ذریعے ہم نے اپنے عقائد و ایمانیات کے خلاف فلسفہ و معقولات کی یلغار کا رخ موڑ دیا تھا۔ آج بھی اسی کام کے اِحیاء کی ضرورت ہے اور عقائد و ایمانیات کے باب میں جدید فلسفہ، سائنس اور عمرانیات کے پیدا کردہ مسائل اور اشکالات کسی اشعری، ماتریدی اور ابن حزم کی تلاش میں ہیں۔[23]

وحیدالدین خان کے مطابق موجودہ علم الکلام اسلام کے علمی ارتقاء میں زبردست رکاوٹ ثابت ہوا ہے۔ لکھتے ہیں: اسلامی علم الکلام کی بنیاد فطرت پر ہے مگر عباسی دور میں اسلامی علم الکلام کو یونانی فلسفہ پر ڈھال دیا گیا۔ یہی انحراف ہے جس نے علم الکلام کو، اسکی موجودہ شکل میں مفید عنصر کی بجائے مضر عنصر بنا دیا ہے۔[24] وہ علم الکلام کو قرآنی بنیادوں پر استوار کرنے کی تجویز دیتے ہیں کہ قرآنی علم الکلام کی بنیاد زمین و آسمان کے ان قوانین پر ہے جن میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی اس لیے قرآنی علم الکلام بھی اعتقادیات کی طرح اٹل اور غیر تغیر پذیر ہے مگر جب علم الکلام کو انسان کے پیدا کردہ علوم کی بنیاد پر مرتب کیا گیا تو فی الفور علم الکلام قدیم و جدید کا مسئلہ پیدا ہو گیا کیونکہ یہ علوم تمام تر قیاس کی بنیاد پر تھے، جو کبھی یکساں نہیں رہ سکتے۔[25] مزید لکھتے ہیں کہ بیسویں صدی کے نصف آخر میں اگر کلی طور پر نہیں تو ایک خاص حد تک ہم اس پوزیشن میں ہو گئے ہیں کہ علم الکلام کو اسکی قطعی اور آفاقی شکل میں مرتب کر سکیں۔ قدیم زمانہ میں عالم افلاک اور علم افلاک دونوں الگ الگ چیزیں تھیں عالم افلاک حقائق پر مبنی تھا اور علم افلاک قیاسات پر۔ آج یہ دونوں چیزیں ایک ہوتی جا رہی ہیں۔ یہی معاملہ قرآن کا ہے۔ قدیم زمانہ میں قرآن اور علم الکلام دونوں الگ الگ تھے۔ قرآن آیات محکمات پر مبنی تھا اور علم الکلام فلاسفہ کے قیاسات پر۔ آج علم انسانی کے ارتقاء نے اسکو ممکن بنا دیا ہے کہ قرآن اور علم الکلام دونوں کو ایک کیا جا سکے اگر کوئی چیز ہے جسکو "علم الکلام جدید" کہا جائے تو وہ یہی علم الکلام ہے۔[26]

مولانا مودودی علم الکلام کی موجودہ صورت حال کا تجزیہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:

23۔ ابو عمار زاہد الراشدی، "علم الکلام اور اس کے جدید مباحث"، ماہنامہ الشریعہ، اپریل ۲۰۱۳، ص ۵

24۔ وحیدالدین خان، تجدید دین، مکتبۃ الرسالہ، سی ۲۹، نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی، ۱۹۷۸، ص ۵۴

25۔ ایضاً، ص ۵۸

26۔ ایضاً، ص ۵۹

صدیوں سے ہماری مذہبی رہنمائی جس گروہ کے ہاتھوں میں ہے اس نے اسلام کو ایک جامد اور غیر متحرک چیز بنا دیا ہے۔ غالباً چھٹی ساتویں صدی ہجری کے بعد سے اس گروہ کے ہاں جنتری بدلنی موقوف ہوگئی ہے۔ وہ اپنے فلسفے اور کلام کے مباحث میں تو یہی پڑھتے پڑھاتے ہیں کہ عالم متغیر ہے اور ہر متغیر حادث ہوتا ہے لیکن حقیقت میں عالم کے تغیر، زمانے کی نیرنگی اور وقت کے سیلان و تجدد سے انھوں نے آنکھیں بند کر لیں ہیں ۔دنیا بدل کر کہیں سے کہیں پہنچ گئی۔ حالات، خیالات، رجحانات، نظریات بدل کر کچھ سے کچھ ہوگئے، تمدن کے معاملات اور مسائل نے کتنے پلٹے کھالیے، مگر ہمارے پیشوا اپنے آپ کو ابھی تک اسی ماحول میں سمجھ رہے ہیں جو پانچ چھ سو برس پہلے پایا جاتا تھا۔[27]

مزید لکھتے ہیں کہ پرانے اسلامی مفکرین و محققین کا سرمایہ اب کام نہیں دے سکتا۔ دنیا اب آگے بڑھ چکی ہے۔ اسکو اب الٹے پاؤں ان منازل کی طرف واپس لے جانا ممکن نہیں ہے جن سے وہ چھ سو برس پہلے گزر چکی ہے۔ علم و عمل کے میدان میں رہنمائی وہی کر سکتا ہے جو دنیا کو آگے کی جانب چلائے نہ کہ پیچھے کی جانب۔ لہذا اب اگر اسلام دوبارہ دنیا کا رہنما بن سکتا ہے تو اسکی بس یہی ایک صورت ہے کہ مسلمانوں میں ایسے مفکر اور محقق پیدا ہوں جو قرآن کے بتائے ہوئے طریق فکر و نظر پر آثار کے مشاہدے اور حقائق کی جستجو سے ایک نئے نظام فلسفہ کی بنا رکھیں جو خالص اسلامی فکر کا نتیجہ ہو۔ ایک نئی حکمت طبیعی (Natural Science) کی عمارت اٹھائیں جو قرآن کی ڈالی ہوئی داغ بیل پر اٹھے۔[28] یقیناً اس قسم کا تجدیدی کام قوموں کی زندگی میں ایک نئے موڑ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو قومیں جرأت اور دلیری سے جمود اور تقلید کی بیڑیوں کو توڑ دیتی ہیں انہی کا دنیا میں سکہ چلتا ہے جبکہ اس کے برعکس جو قومیں اپنی سابقہ روایات کے ساتھ چمٹی رہتی ہیں اور فکری اجتہاد کو آباؤ اجداد کے عقیدہ سے روگردانی تصور کرتی ہیں وہ مستقبل میں غلامی اور محکومی کی چکی میں پستی رہتی ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے اس نقطے کا صحیح اندازہ کیا تھا کہ :

آئینِ نو سے ڈرنا، طرزِ کُہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں[29]

علامہ اقبالؒ علم الکلام کی تجدید کے متعلق فرماتے ہیں:

27۔ مولانا مودودی، "ملت کی تعمیر نو کا صحیح طریقہ"، تنقیحات، اسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، منصورہ ملتان روڈ، لاہور، ۲۰۱۳، ص ۱۳۳

28۔ ایضاً، ص ۱۷

29۔ علامہ اقبال، "بزم انجم" بانگ درا، کلیات اقبال اردو، مرتب: سعید بزمی، خزینہ علم و ادب، لاہور، ۲۰۰۸، ص ۳۲۲

قرآن کہتا ہے کہ: "تمہاری تخلیق اور قیامت کے دن دوبارہ اٹھایا جانا ایک نفسِ واحد کی تخلیق و بعثت کی طرح ہے۔ حیاتیاتی وحدت کا زندہ تجربہ جو اس آیت میں بیان ہوا ہے آج ایسے منہاج کا تقاضا کرتا ہے جو موجودہ دور کے ٹھوس ذہن کے لیے عضویاتی طور پر کم شدت رکھتا ہو مگر نفسیاتی لحاظ سے زیادہ موزوں ہو۔ اس طرح کے منہاج کی عدم موجودگی میں مذہبی علم کی سائنسی صورت کا مطالبہ ایک قدرتی امر ہے۔"[30] تجدید کے منہج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: "خوش قسمتی سے ہمارے پاس ایسے معیارات موجود ہیں جو ان معیارات سے مختلف نہیں ہیں جن کا اطلاق دوسرے علوم پر بھی ہوتا ہے۔ ان کو میں عقلی اور نتائجی معیارات کہوں گا۔ عقلی معیار سے میری مراد کسی مفروضہ کے بغیر ایک تنقیدی تعبیر و تشریح ہے جس کا مقصد اس امر کی دریافت ہے کہ کیا ہماری تعبیرات بالآخر ہمیں ایسی حقیقت تک لے جاتی ہیں جو مذہبی تجربے سے ہم پر منکشف ہوتی ہے۔ نتائجی معیار اس کے ثمرات کے حوالے سے اسکا جائزہ لیتا ہے۔ پہلے معیار کا اطلاق فلسفی کرتے ہیں، دوسرے کا انبیاء۔" [31]

علامہ اقبالؒ کی وفات کو کوئی ایک صدی ہونے کو ہے۔ علوم و فنون کے اندر روز بروز ترقی، جدید تحقیقات کے نت نئے طریقوں اور سائنسی ایجادات نے اب ہمیں اس قابل بنا دیا ہے کہ ہم نہ صرف اقبال کے تجویز کردہ عقلی اور نتائجیت کے معیار کا سہارا لیں بلکہ دوسرے کئی قابل اعتماد علوم جن میں سائنس(Science)، کونیات (Cosmology)، طبیعات (Physics)علم الطب(Medical Science)،علم الانسان (Anthropology)، علم الآثار القدیمہ(Archaeology)،تاریخ(History)،جغرافیہ(Geograph)، علم النفس(Psychology)، تقابل ادیان(Comparative Religion) وغیرہ شامل ہیں، کے ذریعے اسلامی حقائق کا اثبات کریں۔ ایک طرف یہ دلائل متکلمین کے دلائل سے زیادہ مضبوط اور واقعاتی ہیں جبکہ دوسری طرف عصر حاضر کے سائنسی ذہن سے ہم آہنگ ہیں۔

علم الکلام کی تجدید کے حوالے ایک اہم بات یہ ہے کہ ہمیں علوم و فنون کے ارتقاء پر بھی مسلسل نظر رکھنی چاہیے کہ جس طرح یونانی فلسفہ کی جگہ آج سائنس نے لے لی ہے، عین ممکن ہے کہ کل سائنس اور دیگر معاصر علوم سے مزید بہتر علوم کی طرف پیش قدمی ہو جائے جو موجودہ علوم سے زیادہ قابل اعتبار اور ٹھوس بنیادوں پر قائم ہوں۔ علامہ اقبال نے خطبات میں اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ:

30- Allama Iqbal, The Reconstruction of religious thought in Islam (Translation: Dr. Waheed Ishrat), Iqbal Academy, Pakistan, pg 7-

31- Ibid, pg 34

"ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم فکرِ انسانی کے ارتقاء پر بڑی احتیاط سے نظر رکھیں اور اسکی جانب ایک بے لاگ تنقیدی رویہ اپنائے رکھیں۔" [32]

علم الکلام کی تشکیل جدید کے لیے اقدامات

ذیل میں علم الکلام کی تشکیل نو کے منہج کے متعلق چند گذارشات پیش کی جاتی ہیں۔

* سب سے پہلے قرآن کی بنیاد پر ایک نظریہ علم یا نظریہ استدلال مرتب کرنے کی ضرورت ہے اور علم الکلام کے لیے صرف انہی دلائل کا سہارا لینا چاہیے جو قرآنی نظریہ علم سے ہم آہنگ ہوں۔ ڈاکٹر رفیع الدین قرآن کے پیش کردہ فلسفہ حیات کو 'نظام حکمت' سے تعبیر کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ :

> ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم ہر غلط فلسفے کے بارے میں قرآن کے موقف کو جدید معیاری، علمی اور عقلی استدلال کا جامہ پہنائیں اور دشمن کے آلات ہی سے دشمن کا مقابلہ کریں لہذا ضروری ہے کہ ہم قرآن کے مطالب اور معانی کی گہرائیوں میں غوطہ لگائیں اور پورے غور و فکر کے بعد اسکے تمام عقلی نتائج و حاصلات، علمی مضمرات اور متضمنات کا استخراج و استنباط کریں۔ اس غرض کے لیے ضروری ہے کہ ہم طبیعات، حیاتیات، نفسیات اور فلسفہ کے ان تمام قدیم وجدید حقائق کو بھی مضمراتِ قرآن میں شمار کریں جو روحِ قرآن کی تائید کرتے ہیں یا اس سے مطابقت رکھتے ہیں یا اسکی مخالفت نہیں کرتے اور خود بھی علمی مسلملت کا درجہ رکھتے ہیں۔ مزید یہ کہ "قرآن کے اندر مجملاً ان تمام فلسفوں کی تردید موجود ہے جو قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے لہذا جب قرآنی فلسفہ ایک مکمل نظام حکمت کی صورت میں سامنے آجائے گا تو پھر وہ رائج الوقت غلط فلسفوں کا ہی نہیں بلکہ ان تمام غلط فلسفوں کا منہ توڑ جواب بن جائے گا جو آئندہ قیامت تک وجود میں آسکتے ہیں۔" [33]

* قدیم علم الکلام میں صرف عقائد کے متعلق بحث ہوتی تھی کیونکہ اس زمانے میں مخالفین نے اسلام پر جو اعتراضات کیے تھے وہ عقائد ہی سے متعلق تھے لیکن آج کل تاریخی، اخلاقی، تمدنی، قانونی ہر حیثیت سے مذہب کو جانچا جاتا ہے، یورپ کے نزدیک کسی مذہب کے عقائد اس قدر قابل اعتراض نہیں جس قدر اسکے قانونی اور اخلاقی مسائل ہیں۔ ان کے نزدیک تعدّد نکاح، طلاق، غلامی اور جہاد کا کسی مذہب میں جائز ہونا، اس مذہب کے

32- Ibid, pg-8

33- ڈاکٹر محمد رفیع الدین، قرآن اور علم جدید یعنی احیائے حکمتِ دین، اسلامی اکادمی، ۱۷- اردو بازار لاہور، ۱۹۸۶، ص ۱۳-۲۰

باطل ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔[34] لہذا اس وقت اسلام کی اولین ضرورت یہ ہے کہ جائزہ لیا جائے کہ موجودہ دور میں اسلام کو کس قسم کے مسائل درپیش ہیں اور وہ مسائل جن کی حیثیت تاریخی ہے، کو صرف ضمناً زیرِ بحث لایا جائے۔ موجودہ دور میں اسلام پر بیشتر اعتراضات حقوقِ نسواں، سیرت نبوی، اسلامی حدود، سود و سوٗر کی حرمت، شراب اور جوا کی ممانعت وغیرہ سے متعلق ہیں لہذا علم الکلام کا دائرہ عقائد سے وسیع کر کے ہر طرح کے اعتراضات تک بڑھادیا جائے یہ ایک نئی طرز کا علم الکلام ہوگا۔

* قرآن میں پچھلے انبیاء اور گزری ہوئی تہذیبوں کا ذکر ہے جسکو قرآن "ایّام اللہ" سے تعبیر کرتا ہے۔ علم الآثار کے ماہرین نے جدید تحقیقات کے ذریعے قدیم زمانے کی قوموں کے متعلق ایسے نشانات اور ریکارڈ دریافت کر لیے ہیں جن تک ماضی میں رسائی حاصل نہیں ہو سکی تھی اس حوالے سے قرآن کریم میں موجود سابقہ اُمم کی جغرافیائی حدود، حالات و واقعات اور ان پر عذاب و ثواب کے متعلق جو کچھ بیان ہوا ہے اسکو مدون کیا جائے۔ اس طرح علم الآثار کی دریافتیں قرآنی حقائق کی تصدیق و توثیق کے ساتھ ساتھ اسلام کی حقانیت کے لیے دلائل فراہم کریں گی۔

قرآن کہتا ہے کہ "سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ... [35] یعنی "عنقریب ہم ان ہیں اپنی نشانیاں آفاق عالم میں بھی دکھائیں، گے اور خود ان کی اپنی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ حق یہی ہے۔"

اس آیت کریمہ کے مطابق کائنات میں ایسی بے شمار نشانیاں موجود ہیں جو خالقِ کائنات کے وجود پر ناطق ہیں۔ قرآن کریم میں ان نشانیوں کے بار بار حوالے دے کر عقل انسانی کو ان میں غور و فکر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ لیل و نہار کی گردش اور ایک دوسرے پر سبقت نہ لے جانا، آسمانوں کا بغیر ستونوں کے کھڑا ہونا، شمس و قمر کے اوقاتِ طلوع و غروب، نظام کائنات میں علت و معلول کا رشتہ، نظم کے ساتھ ہر چیز کا جاری و ساری ہونا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان سب میں ذرا برابر بھی تفاوت نہ ہونا، حکیم صانع کی وحدانیت کا بیّن ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ علمِ طبیعات نے یہ مواد سائنسی انداز میں بڑی حد تک ہمیں فراہم کر دیا ہے تاہم ضرورت اس امر کی ہے کہ مزید تلاش و جستجو کے ذریعے ان نشانیوں کا کھوج لگایا جائے جو قادر مطلق پر ایمان لانے کے لیے دلوں کو مائل کرتی ہیں۔ بیان کردہ آیت کے دوسرے حصے میں آفاق کے ساتھ ساتھ قرآن کے دوسرے استدلالی پہلو کو "آیات انفس" کہا گیا ہے۔ یعنی نفسِ انسانی کے

---

[34]. علامہ شبلی نعمانی، علم الکلام اور الکلام، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، ۱۹۷۹ء، ص۔ ۱۶۱

[35]. سورۃ حم السجدۃ، ۴۱: ۵۳

اندر خدا کی نشانیاں۔ یہ جزء بھی قدیم زمانہ میں بڑی حد تک مخفی تھا اور جو کچھ اس پر لکھا گیا وہ فقط قیاسات پر مبنی تھا تاہم علم النفس کے ماہرین نے تحقیقات کے ذریعے بہت سی ایسی معلومات حاصل کر لی ہیں جن کی روشنی میں قرآن کے اشارات کو، قدرے تفصیل سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ علم النفس کے ساتھ ساتھ میڈیکل سائنس میں ایسی تحقیقات سامنے آئی ہیں جو کُلیتاً قرآنی نظریے سے مطابقت رکھتی ہیں اسکی بین مثال قرآن کے اندر انسان کی تخلیق کے مختلف ادوار کی مرحلہ وار تفصیل ہے جو سائنسی بنیادوں پر ثابت ہو چکی ہے الغرض اگر اس علم کو مزید مرتب کیا جائے تو قرآنی نظریات کی تصدیق میں ممد و معاون ہوگا۔

* فلسفہ اور سائنس کے ساتھ ساتھ عمرانیات اور سوشیالوجی نے اس قدر ترقی کر لی ہے کہ انسانی سوسائٹی کے بیشتر مسائل اب اسی کے حوالے سے طے ہوتے ہیں۔ مگر ہمارے ہاں اس سے بے اعتنائی کا یہ عالم ہے کہ ابن خلدونؒ اور شاہ ولی اللہؒ کے بعد اس درجہ کا کوئی عالم نظر نہیں آتا جس نے عمرانیات کو باقاعدہ موضوع بنا کر اس پر بحث کی ہو اور ہمارے دینی حلقوں کو اس علم سے متعارف کروانے کی کوشش کی ہو جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری نئی نسل کے ذہنوں میں عمرانیات اور سوسائٹی کے ارتقاء کے حوالے سے سوالات اور شکوک کا ایک جنگل آباد ہے۔[36] لہذا ان علوم کے حوالے سے اٹھنے والے سوالات کو بھی اہمیت دینی چاہیے اور یہ اسی وقت ممکن ہو سکے گا جب ہم اس علم کو بھی علم الکلام کا حصہ بنا کر باقاعدہ طور پہ نصاب میں شامل کریں گے۔
* وحید الدین خان اس سلسلے میں ایک اہم علمی کام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

> سائنٹفک انداز سے اسلام پر تعارفی لٹریچر تیار کیا جائے۔ موجودہ زمانے میں اسلام پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں مگر تقریباً تمام کتابوں پر، کسی نہ کسی طرح، کلامی انداز غالب رہا ہے۔ اسکے برعکس سائنسی طرز استدلال اختیار کرتے ہوئے اسلام پر کتابیں لکھی جائیں اگرچہ یہ کام رواجاً علم الکلام میں شمار نہیں کیا جاتا لیکن مقاصد کے اعتبار سے اسکو علم الکلام کا سب سے اہم جزء ہونا چاہیے۔[37]

* کلامی مسائل میں استدلال کے حوالے سے یہ بات مد نظر رکھنی چاہیے کہ دلائل و براہین ایسے صاف اور سادہ پیرایہ میں بیان کئے جائیں کہ سریع الفہم ہونے کے ساتھ ساتھ دل میں اتر جائیں۔ پیچ در پیچ مقدمات اور دقیق منطقی اصطلاحات کو چھوڑ کر سادہ، واضح اور بلیغ اسلوب جو کہ عقل کو اپیل کرنے والا ہو، اختیار کیا جائے اس حوالے سے ثابت شدہ سائنسی حقائق، کونیاتی شواہد، اور سادہ عقلی دلائل قدرے معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

36۔ ابو عمار زاہد الراشدی، "علم الکلام اور اس کے جدید مباحث"، ماہنامہ الشریعہ، اپریل ۲۰۱۳، ص ۵

37۔ وحید الدین خان، تجدید دین، مکتبۃ الرسالۃ، سی ۲۹، نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی، ۱۹۷۸، ص ۶۱

* ان تجاویز کے ساتھ ساتھ جدید اُسلوب کو مد نظر رکھتے ہوئے نئے انداز سے علم الکلام کا نصاب مرتب کیا جائے۔ مدارس اور یونیورسٹیوں میں وقتاً فوقتاً مسائلِ جدیدہ پر کانفرنسز، سیمینارز اور پروگرامز منعقد کروائے جائیں جن میں پیش آمدہ مسائل سے آگاہی کے ساتھ ساتھ ان کے حل کا مناسب طریقہ کار تجویز کیا جائے۔اس سلسلے کی آخری کڑی عصری علوم کے ارتقائی پہلو سے لحہ بہ لحہ باخبر رہنا ہے۔ جیسے جیسے علوم کے میدان میں پیش رفت سامنے آئے تیسے تیسے مرتب شدہ نصاب میں ترمیم واضافہ کے ذریعے اس کو مزید محکم بنیادوں پر استوار کردیا جائے۔اس سلسلے میں کسی بھی کاوش کو حرفِ آخر نہ تصور کیا جائے بلکہ ایک ارتقائی اور نہ رکنے والا سفر سمجھا جائے تاکہ ہر دور کے مفکرین اسلام کو مؤثر انداز میں دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔
* علامہ اقبال نے فرمایا تھا کہ :

> "اب وہ دن دور نہیں جب مذہب اور سائنس اپنے درمیان ایسی ہم آہنگیوں کو ڈھونڈ لیں گے جن کا ابھی تک وہم و گمان بھی نہیں۔تاہم یہ بات یادرکھنے کی ہے کہ فلسفیانہ فکر میں قطعی اور حتمی نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ جوں جوں علم آگے بڑھتا جاتا ہے فکر کے نئے افق کھلتے چلے جاتے ہیں۔" [38]

جس قدر سائنس اور علم کو ترقی ہوتی جارہی ہے اسی قدر اسلام کے اصول چمکتے جارہے ہیں اور بڑے بڑے ڈاکٹر، فلاسفرز اور ہر قوم کے تعلیم یافتہ اور مقتدر افراد حلقہ بگوش اسلام ہو رہے ہیں۔اور عنقریب وہ زمانہ بھی آئے گا کہ تمام مذاہب صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہو جائیں گے اور صرف ایک مذہبِ اسلام جو علم اور عقل کا مذہب ہے، باقی رہ جائے گا۔علم اور سائنس کی ترقی نے سوائے اسلام کے تمام مذاہب کو متزلزل کر دیا ہے عوام کا تو ذکر ہی کیا ہر مذہب کے خواص اور علماء کو بھی اپنے مذہب کے اصول اور عقائد پر یقین اور اذعان نہیں رہا۔یہودی ہوں یا نصاری، ساجی ہوں یا سناتن دھرمی سب یہ سمجھ چکے ہیں کہ ہمارا مذہب قابل عمل نہیں ہے۔"[39] اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے کہ اسلامی عقائد و نظریات فطرت کے عین مطابق ہیں، ہمیں علم الکلام کے مناہج اور اسالیب کا از سر نو جائزہ لے کر دوبارہ مدوّن کرنے کی ضرورت ہے۔ نیز جو مسائل فکر و فلسفہ اور نظریات سے تعلق رکھتے ہوں ان کو بھی علم الکلام میں داخل کرنا بہتر ہو گا پھر چاہے وہ تہذیب و تمدن سے متعلق ہوں یا سائنس و فلسفہ سے۔

خلاصہ و حاصل کلام

ذیل میں اختصار کے ساتھ بحث نتائج بیان کیے جاتے ہیں:

---

[38]- Allama Iqbal, The Reconstruction of religious thought in Islam (Translation: Dr. Waheed Ishrat), Iqbal Academy, Pakistan, pg8

[39]- مولانا محمد ادریس کاندھلوی، علم الکلام، زمزم پبلشرز شاہ زیب سینٹر نزد مقدس مسجد اردو بازار کراچی، ۲۰۰۳، ص ۲۷-۲۸

- علم الکلام ایک ایسا علم ہے جو حالات و واقعات اور زمان و مکان کے ساتھ گہرا تعلق رکھتا ہے۔ اسکے مباحث اگرچہ ہمیشہ ایک جیسے رہیں ہیں لیکن ہر دور میں ہونے والے اعتراضات و شبہات کا اسلوب پہلے سے مختلف رہا ہے۔
- عجمی قوموں کی طرف سے جب عقائدِ اسلامیہ پر منطق اور فلسفہ کے ذریعے حملہ ہوا تھا تو متکلمینِ اسلام نے انہی کے ہتھیار سے عقائدِ اسلامیہ کا دفاع کیا تھا۔ اب جبکہ حالات بدل گئے ہیں، علمی ترقی کی بدولت نئے نئے نقطہ ہائے نظر وجود میں آئے ہیں، سائنسی اندازِ فکر نے سوچ اور علم و ادراک کے نئے زاویے دریافت کر لیے ہیں، جو اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ وہ علم الکلام جو ایک مخصوص زمانے اور خاص تمدنی حالات کے اندر وجود میں آیا تھا، کی از سرِ نو تشکیل ہونی چاہیے۔
- اس قسم کی تجدید خدانخواستہ عقائدِ اسلامیہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہے بلکہ اسلامی عقائد کو جدید عقلی و سائنسی انداز میں پیش کرنا ہے۔ علم الکلام پر لکھا گیا صدیوں پرانا لٹریچر عصرِ حاضر کے سائنسی ذہن کو مطمئن کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا لہذا ضروری ہے کہ عصرِ حاضر کے تقاضوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جدید سائنسی طرز پر علم الکلامکو از سرِ نو مرتب کیا جائے۔ اُمیدِ واثق ہے کہ اگر علم الکلام کو بیان کردہ خطوط پر استوار کر دیا جائے تو نہ صرف عقائدِ اسلامیہ کے دفاع اور شکوک و شبہات کا تدارک ہو گا بلکہ دنیا کے سامنے اسلام کی حقانیت مزید نکھر کر سامنے آئے گی اور روئے زمین پر توحید پرستوں کی تعداد بڑھتی چلی جائے گی۔